© rasailojaraid.com

نے ان کو متعدد خطوط میں حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے رہنے کی ہدایت فرمائی''۔ اس کی وجہ حضرت مفتی صاحب کی جلالتِ شان کے ماسوا سلسلۂ طریقت کا اشتراک اور مناسبت بھی تھی، والد ماجد نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''نزہۃ الخواطر'' کی (جو آٹھ جلدوں میں عربی میں غیر منقسم ہندوستان کے ہزار بارہ سو سال کے اسلامی دور کے مشاہیر ہند اور ممتاز شخصیتوں کے تعارف و تذکرہ پر مشتمل ہے آٹھویں جلد میں حضرت مفتی صاحب کا بلند الفاظ میں قدرے شرح و بسط کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ مجھے حضرت مفتی صاحب کی زیارت کا شرف تو حاصل نہیں ہوا، کہ سنہ ۱۳۴۷ھ میں آپ کی وفات ہوگئی، اور میں دیوبند ۱۹۳۱ء (سنہ ۱۳۵۰ھ) میں حاضر ہوا، اور مولانا مدنی رحمۃ اللہ کے درس حدیث میں شرکت کی سعادت حاصل کی، دیوبند کے ایک سفر کے موقعہ پر مفتی صاحب کے عم محترم مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ دیوبند ہی تشریف رکھتے تھے، مولانا مدنیؒ کے دولت کدہ پر ان سے نیاز حاصل ہوا، پھر کئی بار دولت خانہ پر بھی حاضر ہوا، مولانا کے ان حواشی کے بارے میں جو حضرت شیخ الہند کے ترجمۂ قرآن پر ان کے قلم سے ہیں، میں نے اپنے تاثرات اور بحیثیت مدرس تفسیر کے اپنے تجربہ کا اظہار کیا۔ اور ان کی افادیت اور علمی و تحقیقی امتیاز کے بارے میں اظہار خیال کیا، تو مولانا کی خصوصی توجہ ہوئی اور خصوصی شفقت فرمانے لگے، اس وقت تک جہاں تک یاد ہے مفتی عتیق الرحمٰن صاحب سے ملاقات اور تعارف کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

مفتی صاحب کے نیاز اور براہ راست ملاقات کا سلسلہ (جہاں تک حافظہ کام کرتا ہے) سنہ ۱۹۴۴ء کے بعد سے شروع ہوا، جب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں پہلی بار حاضری ہوئی اور پھر مستقل ربط قائم ہو جانے کی بنا پر تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دہلی کا سفر پیش آتا رہا۔ اس وقت تک دہلی کے نامور اور ممتاز علماء اور علمی اشتغال اور سیاسی ذوق رکھنے والے فضلاء (حضرت مفتی کفایت اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب رح کو مستثنیٰ کر کے) مولانا سے زیادہ متعارف و مانوس نہیں تھے۔ اور ان کی نظام الدین کے تبلیغی مرکز میں آمد و رفت شروع نہیں ہوئی تھی، میں اپنی بے بضاعتی اور کم مائگی کے باوجود دارالعلوم ندوۃ العلماء سے درس و تدریس کا انتساب رکھنے اور کچھ لکھنے پڑھنے کی مناسبت سے دہلی کے ان علماء، اور مولانا کے درمیان رابطہ بننے کی کوشش کرتا تھا۔ اُسوقت جامع مسجد پر مولانا سمیع اللہ صاحب مرحوم کا مکتبہ عزیزیہ باذوق و سنجیدہ علماء اور علمی و سیاسی ذوق رکھنے والے احباب کی (جن کا زیادہ تر جمعیۃ العلماء سے تعلق تھا) نشست گاہ اور بزم احباب تھی، مولوی سمیع اللہ صاحب کے اخلاق، خوش گفتاری اور زندہ دلی کی وجہ سے میری بھی آمد و رفت شروع ہوئی، وہاں مفتی صاحب اور مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی بھی تشریف لایا کرتے تھے، میں نے دونوں کو نظام الدین آنے کی دعوت دی، اور دونوں حضرات میری دعوت پر وہاں تشریف لائے، میں نے مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی صاحب کے بارے میں یہ بلند الفاظ سُنے تھے، فرماتے تھے کہ "حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کو مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کی فقہی صلاحیت اور نظر پر بڑا اعتماد تھا، اور وہ ان کے فقہی جوابات سے مطمئن ہوتے تھے، مجھے ان کا فقہ و افتاء کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہونا، اچھا نہیں معلوم ہوتا، کہ ان کو اس فن سے خصوصی مناسبت اور امتیاز حاصل ہے۔"

مفتی صاحب سے اصل ربط و تعلق ۱۹۴۴ء سے شروع ہوا، اس وقت ندوۃ المصنفین، قرولباغ دہلی میں تھی، حسن اتفاق کہ اس زمانہ میں اس کے مرکز کے قریب ہی میرے والد مرحوم کے ایک مخلص دوست عم مخدوم و محترم الحاج سید محمد خلیل صاحب سنہٹوری مرحوم مقیم تھے، ان کے صاحبزادہ گرامی قدر برادر محترم سید محمد جمیل صاحب (جو بعد میں پورے پاکستان کے اکاؤنٹینٹ جنرل ہوئے) ریلوے کے آڈیٹر تھے اور ایک زمانہ میں دہلی میں انکی پوسٹنگ تھی، اس تعلق و مناسبت سے میرا بار بار وہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنا جانا ہوتا تھا، سید محمد خلیل صاحب اور سید محمد جمیل صاحب دونوں مفتی صاحب اور مولانا سعید احمد صاحب اور ندوۃ المصنفین سے ربط و تعلق رکھتے تھے، اسی زمانہ میں مولانا محمد سلیم صاحب ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ جو حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی بانی مدرسہ و مصنف "اظہار الحق" کے خاندان کے چشم و چراغ اور "آثار رحمۃ اللہ" میں سے تھے، بعض سیاسی حالات و مصالح کی بنا پر مکہ مکرمہ سے آکر قرول باغ دہلی میں اسی ماحول و جوار میں جس کا تذکرہ کیا گیا مقیم تھے، یہیں سے وہ رسالہ "ندائے حرم" کی ادارت و اشاعت بھی فرماتے تھے۔ اور مدرسہ صولتیہ کی رہنمائی و نگرانی بھی، اتفاق سے انھیں دنوں ہمارے مخدوم مولوی ظہیر الحسن صاحب کاندھلوی ایم۔ اے علیگ بھی دہلی میں مقیم تھے اور ان کا زیادہ وقت یہیں گزرتا تھا، وہ مجھ پر خاص کرم فرماتے تھے، اور مجھے بھی ان سے بڑی موانست و مناسبت تھی، میں قرول باغ جاتا تو آدھے دن رہ جاتا، علم و ادب، زندہ دلی اور مجلس آرائی، چشم و گوش اور کام و دہن سب کی لذت سب کا سامان ایک جگہ بہم ہوتا مفتی صاحب اور مولانا سعید احمد صاحب بھی شریک بزم ہوتے، انھوں نے کبھی اپنی قیام گاہ پر بلا کر کھانے کی ضیافت بھی فرمائی۔

اس کے بعد مفتی صاحب سے صرف اہم اجتماعات میں ملاقات ہوتی، مثلاً بمبئی کا تعلیمی کنونشن جو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ۱۹۵۵ء میں بلایا تھا، تقسیم ہند کے بعد جمعیۃ العلماء کا پہلا جلسہ جو ۱۳۶۷ھ (اپریل ۱۹۴۸ء) میں مولانا مدنیؒ کی صدارت میں لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا۔ اور اس کے اکثر مہمان دار العلوم ندوۃ العلماء میں مقیم تھے نومبر ۱۹۵۳ء میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کا پاکستان میں حادثہ ارتحال پیش آیا۔ دار العلوم ندوۃ العلماء میں ہم نیازمندوں نے مولانا کی یاد میں ۱۹۵۴ء میں ایک سنجیدہ اور علمی اجتماع منعقد کیا جس کی شرکت کے لئے ضعف و علالت کے باوجود مولانا سید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مناظر احسن صاحب گیلانی مرحوم اپنے وطن سے لکھنؤ تشریف لائے مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب اپنی شرافتِ نفس، سیّد صاحب کے ساتھ تعلقات، اور دارالمصنفین ندوۃ المصنفین کے علمی ورسمی رشتہ واشتراک کی بنا پر کیسے شرکت نہ فرماتے؟ تشریف لائے اور بڑے ذوق ودلچسپی کے ساتھ پورے اجتماع میں شریک رہے، سیّد صاحب کا ہندوستان کو خیرباد کہہ کر پاکستان تشریف لے جانا اور وہیں قیام اختیار کرلینا ایک علمی ادبی اور ملّی سانحہ تھا، لیکن حالات اور مجبوریوں اور خانگی نزاکتوں کی "سنگین منطق" میں دخل در معقولات، کی کیا گنجائش؟ مفتی صاحب نے اپنے ہی تاثر نہیں بلکہ ہندوستان کی، ملّت اسلامیہ اور علمی وتصنیفی اداروں کی اس ملی جلی حیرت وحسرت کو جس خوبی ذہانت ولطافت کے ساتھ اپنی تعزیتی تقریر میں ادا کیا وہ مفتی صاحب ہی کا حق تھا، اور ذوق و گوش ابھی تک اس کی لذت لے رہے ہیں، مفتی صاحب نے فرمایا کہ "ہم عقیدت مندوں اور نیازمندوں کی تمنّا تو یہ تھی کہ سیّد صاحبؒ کی آخری آرام گاہ یا اپنے محبوب ومحسن استاد ومُربّی علّامہ شبلیؒ کے پہلو میں ہوتی، یا اپنے مرکزِ عقیدت شیخ ومرشد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پہلو میں، مگر تقدیر الٰہی کچھ اور تھی ؎

من چناں خواہم، خدا خواہد چنیں

آج بھی اہلِ ذوق اور محرمانِ حقیقت اس بلیغ جملہ کا لطف اٹھا سکتے ہیں جس میں مرثیہ کا سوز بھی ہے اور غزل کی لطافت بھی ویسے تو مفتی صاحب کی رفاقت دارالعلوم دیوبند کے جلسہ شوریٰ میں اور ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی میں حاصل ہوتی رہتی تھی لیکن اصلاً مفتی صاحب کی رفاقت اور وسیع وجامع معنی میں خدمت دین وملت کے میدان میں ہم سفری کی سعادت ۱۹۶۴ء سے حاصل ہوئی۔

جب راؤرکیلا، رانچی، جمشید پور کے فسادات نے ملت کا درد رکھنے والوں اور ہندوستانی مسلمانوں کے رہنماؤں اور کارکنوں کو جھنجھوڑ کر رکھدیا اور یہ صاف نظر آنے لگا کہ اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بروقت اس کا مداوا نہ کیا گیا اور مسلمانوں کی مختلف سیاسی جماعتوں، تنظیموں، اور ان کے قائدین رہنماؤں نے ملت ہی کو نہیں بلکہ ملک کو بچانے کے لئے منظم و متحد جد وجہد کا آغاز اور مشترک پلیٹ فارم کو وجود میں لانے کا کام نہ کیا تو اس ملت پر جو کچھ گذرے گی سو گذرے گی ملک کی بھی خیریت نہیں، اس تأثر کا سب سے زیادہ غلبہ اور اس صدمہ کی چوٹ سب سے زیادہ (خدا مغفرت کرے اور ان کے درجے بلند کرے) ڈاکٹر سیّد محمود صاحب مرحوم کے دل پر تھی، انھوں نے ان سب فکر مند اور درد مند حضرات سے رابطہ قائم کیا جو اس سلسلہ میں ان کے ہم سفر ہو سکتے تھے، لیکن ڈاکٹر صاحب کے دہلی میں ہونے کی وجہ سے ان کا سب سے زیادہ اور پہلا ربط مفتی صاحب اور مولوی محمد مسلم صاحب ایڈیٹر "دعوت" سے رہا، باہر کے لوگوں میں راقم سطور اور مولانا محمد منظور صاحب سے

اس سلسلہ کا پہلا قدم مشاورت کا وہ تاسیسی جلسہ تھا جو ۸، ۹ اگست ۱۹۶۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں منعقد ہوا، اور جس کے نتیجہ میں مسلم مجلس مشاورت وجود میں آئی، اسی جلسہ میں طے پایا کہ ملک کی فضا کو درست کرنے اور احترام انسانیت اور امن آشتی کا پیغام پہونچانے اور بجائے سیاسی جماعتوں اور ان کے رہنماؤں کے (جن کے ذہن بہت کچھ مسموم ہو چکے ہیں) ملک کی عام آبادی اور ہندو مسلم عوام سے براہ راست رابطہ پیدا کیا جائے، اس کے ساتھ مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کیجائے اور ان کو محسوس کرایا جائے، کہ وہ دین حق اور خدا کے آخری پیغام کے حامل، انسانیت کے بے لوث خادم و معمار ہونے اور اپنی ان خصوصیات اور دینی ذمہ داریوں کی بنیاد پر اس ملک کے محافظ و پاسبان بھی ہیں۔

اس سلسلہ میں پہلا سفر بہار و اڑلیسہ کا ہوا، اور ایک موقر اور متنوع الافراد وفد نے ستمبر ۱۹۶۴ء میں رانچی، چکر دھر پور، چائباسہ، جمشید پور، اور راوڑکیلا کا دورہ کیا۔ ہر جگہ وفد کا شاندار اور پرجوش استقبال ہوا، مقرروں میں ڈاکٹر صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد مفتی صاحب پیش پیش اور نمایاں ہوتے تھے۔ نومبر ۶۴ء میں مجلس نے مہاراشٹر کا دورہ کیا، دسمبر ۶۴ء میں گجرات کا دورہ ہوا۔ جسمیں پنڈت سندر لال بھی شریک تھے اس سفر میں پالن پور، احمد آباد، نڈیاڈ، گودھرا، بڑودہ، سورت اور بھڑوچ پر یہ پروگرام اختتام کو پہونچا، گجرات کے دورہ کا ذکر آگیا ہے تو دو واقعات کے تذکرہ کئے بغیر آگے نہیں بڑھا جاتا۔

پہلا واقعہ یہ ہے کہ احمد آباد کے قریب ایک مرکزی اور اہم قصبہ میں جس کا نام (اگر حافظہ کوتاہی نہیں کرتا) بیس نگر تھا، میں نے منتظمین جلسہ اور رفقائے سفر سے درخواست کی کہ چونکہ میں کئی راتوں سے دیر میں سو رہا ہوں اور بہت تھکا ہوا ہوں مجھے تقریر کا پہلے موقعہ دیدیا جائے، ذمہ داروں نے منظور کر لیا، اور پہلی تقریر میری ہوئی میں نے اس تقریر میں ہندوستان کی جغرافیائی وسعت، تاریخی عظمت اور سیاسی اہمیت وغیرہ بیان کرنے کے بعد ایک محب وطن ہندوستانی کی حیثیت سے اس پر حسرت وقلق کا اظہار کیا کہ اتنے عظیم ملک کی قیادت اور انتظام کے لئے ملک کے آزاد ہونے کے بعد جس بالغ سیاسی شعور، وسیع النظری، سیرت و اخلاق کی بلندی اور اصول پسندی کی ضرورت تھی، اسکی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے، شاید جنگ آزادی کی مصروفیت میں قومی سیرت و اخلاق کی تعمیر کا وہ کام نہیں ہو سکا، جس کی اتنے بڑے ملک کے سنبھالنے کیلئے ضرورت تھی، ملک میں ذہنی و اخلاقی انتشار، دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اور رشوت و کرپشن پھیلا ہوا ہے، ملک کے بے لوث کارکنوں، سیاسی رہنماؤں، اور قائدین کو اسکی طرف توجہ کی ضرورت ہے، ورنہ اس آزادی کا برقرار رہنا مشکل ہو جائے گا میں یہ تقریر کر کے اپنی قیام گاہ پر آگیا، واپسی پر ملا جان صاحب نے بتایا (جو تحریک خلافت کے ایک پرانے کارکن اور مجلس مشاورت کے ایک اہم رکن تھے اور کلکتہ میں ان کا قیام تھا) کہ تمہاری تقریر پر پنڈت سندر لال جی نے سخت تنقید اور احتجاج کیا، اور کہا کہ مولانا کو اتنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تُند اور تیز لہجے میں ہندوستان پر تنقید کرنے کا کیا حق تھا؟ انھوں نے ملک کی توہین کی خیریت ہوئی کہ مجمع نے اس پر اپنے غم و غصہ کا اظہار نہیں کیا، مجھے یہ سُن کر تعجب ہوا کہ یہ باتیں ایک محبِ وطن ہندوستانی کے ناتے اور ملک کی خیرخواہی میں خلوص سے کہی گئی تھیں اس پر اتنا بُرا ماننے کی کیا بات تھی؟ فجر کی نماز کی تیاری کے لئے ہم سب لوگ اُٹھے تو دیکھا کہ پنڈت جی اب بھی اس تقریر پر تنقید و تبصرہ کر رہے ہیں، اور مسلمانوں کے بارے میں طنزیہ الفاظ بھی استعمال کر رہے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مسلمان زمزم کو مقدس پانی مانتے ہیں۔ لیکن گنگا جل کی انکے یہاں کوئی عزت نہیں، وغیرہ وغیرہ میں نے طے کر لیا کہ میں اخیر تک خاموش رہوں گا۔ تاکہ سفر کے مقصد کو کوئی نقصان نہ پہونچے، اور اس وفد میں جو مختلف الخیال لوگوں پر مشتمل ہے کوئی انتشار نہ پیدا ہو، لیکن حیرت ہوئی کہ رفقائے سفر میں سے جن میں بعض خالص مسلم جماعتوں کے رہنما تھے کوئی ایک لفظ نہیں بولا، اور پنڈت جی کا سلسلہ کلام جاری رہا، اتنے میں مفتی صاحب کی آواز آئی جو ابھی بیدار ہی ہو رہے تھے کہ پنڈت جی آخر مولانا نے کیا بے جا بات کہی آپ اتنے گرم کیوں ہیں الخ اس وقت مجھے مفتی صاحب کی قدر ہوئی کہ انھوں نے نہ صرف دینی حمیت بلکہ اخلاقی جرأت سے کام لیا، اور میری تائید کی، پنڈت جی اس پر خاموش ہو گئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

[1] سفر گجرات کا دوسرا قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ بڑودہ میں نماز فجر وغیرہ سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے کہ چند اہل محلہ گھبرائے ہوئے آئے، اور انھوں نے کہا کہ قریب ہی ایک مکان ہے جو زمین میں دھنس رہا ہے اُس کے آثار نظر آتے ہیں کئی روز سے اس مکان کے مکین خواب دیکھ رہے ہیں کہ اس مکان میں نامناسب کام ہوئے ہیں اور انکی

[1] اس موقعہ پر ڈاکٹر سید محمود صاحب صدر مجلس اور مولانا ابواللیث صاحب ندوی امیر جماعت اسلامی ہند موجود نہ تھے وہ دونوں احمد آباد رہ گئے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نحوست ہے یہ مکان زمین میں دھنس جائے گا، آپ حضرات چلیں اور وہاں دعا کریں ہم سب لوگ اپنی حقیقت سے واقف تھے "ایاز قدر خود را شناس" لیکن یہ خیال ہوا کہ ملت کے خادموں اور مختلف مسلم جماعتوں کے نمائندوں کی جماعت ہے، اور یہ ایک نیک مقصد سے سفر کر رہے ہیں کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، اور یہ بلا ٹل جائے، کچھ نظر پڑتی تھی تو حضرت مفتی صاحب پر کہ عالم، حافظ، فقیہ اور اللہ کے ایک مقبول بندہ اور صاحب نسبت شیخ کے فرزند ہیں، ہم لوگ ہمت کر کے گئے اور وہاں کھڑے ہو کر دعا کی، اور چلے آئے، لوگوں نے بتایا کہ وہ کیفیت ختم ہو گئی۔

مکان اب بھی اسی حالت میں اس جگہ موجود ہے، محبی غلام محمد میمن صاحب سے (جن کا بڑودہ میں قیام ہے، اور مفتی صاحب سے خاص تعلق رکھتے ہیں) جب کبھی پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ الحمدللہ مکان اپنی جگہ پر قائم اور محفوظ ہے۔ مشاورت کا سب سے بڑا دورہ ریاست میسور میں ہوا، جو ۱۱ر نومبر سے شروع ہو کر ۲۲ نومبر ۱۹۶۶ء کو ختم ہوا۔ اسکی مجموعی مسافت کا اندازہ ساڑھے چار ہزار میل ہے جسمیں تقریباً ڈیڑھ ہزار میل کی مسافت بس سے طے کی گئی بدر اس سے شروع ہو کر یہ دورہ گلبرگہ پر ختم ہوا، جھانسی ہی سے راقم السطور کی سفر میں رفاقت ہو گئی۔ یہ تحریک خلافت کے بعد شوکت اسلامی کا پہلا نظارہ تھا، اس کے اہم مقامات میں بنگلور، سرنگا پٹن (مدفن سلطان ٹیپو) میسور، مرکارہ، منگلور، ہاسن، بیجا پور، شیموگا وغیرہ تھے۔

اس تاریخی دورہ میں اختتامی تقریر مفتی صاحب کی تھی، انھوں نے فرمایا کہ صحیح آزادی اور جمہوریت وہ ہوتی ہے۔ جس کا فیض یکساں طور پر آبادی کے تمام عناصر اور ملک کے تمام فرقوں اور طبقوں کو پہونچے، اس کی انھوں نے مثالیں دیں، اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کو جو شکایات ہیں اس کا ذکر کیا، پھر اپنے پسندیدہ (جگر مرحوم) کے اشعار پڑھے، جو اس دورہ میں اکثر پڑھا کرتے تھے۔

بہار آئے اور اس شان کی بہار آئے ... کہ پھول ہی نہیں کانٹوں پہ بھی نکھار آئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چمن چمن ہی نہیں جس کے گوشہ گوشہ میں ــــ کہیں بہار نہ آئے کہیں بہار آئے

مفتی صاحب کی تقریروں میں رجائیت اور تعمیری وایجابی نقطۂ نظر غالب ہوتا تھا ان کی تقریریں جذبات میں اشتعال، اور غم وغصہ پیدا کرنے کے بجائے مسائل سُلجھانے اور حالات کی طرف سے پُرامید رہنے پر آمادہ کرتی تھیں، اکثر دوسرے مقررین کے مقابلہ میں ان کی تقریریں زیادہ تعمیری اور غیر مُسلم سامعین کے لئے (جو اکثر مقامات پر بڑی تعداد میں ہوتے تھے) مفید اور قابل فہم اور قابل قدر ہوتی تھیں، اور انکو قریب کرنے کا کام کرتی تھیں، جوان دوروں کا ایک بڑا مقصد تھا۔

افسوس ہے مجلس کی ان تعمیری سرگرمیوں اور اس کے دوروں کا مفید سلسلہ زیادہ دنوں تک جاری نہیں رہا، میسُور کا دورہ مجلس مشاورت کی شہرت ومقبولیت کا نقطۂ عروج تھا، ۶۷ء کے عمومی انتخابات بلا واسطہ مجلس کے لئے اور بالواسطہ مسلمانان ہند کے لئے ایک نازک ابتلا ثابت ہوئے جماعتوں کے ذمہ داران اور ارکان مجلس نے اپنے اپنے طور پر کہیں کہیں کام کیا اور اس سے مجلس کا شیرازہ جو ابھی تک مرتب ومنظم تھا کسی قدر انتشار وتضاد کا شکار ہوا، ۲-۳- اپریل ۶۷ء کو مجلس کا جلسہ دہلی میں منعقد ہوا، ڈاکٹر سیّد محمود صاحب استعفی پر مصر تھے، لیکن ان کو بڑی مشکل سے اس سے باز رکھا گیا لیکن اُن میں اب پہلی سی اُمنگ اور ولولہ باقی نہیں رہا تھا۔ اس میں ان کی صحت کے روز افزوں انحطاط اور اضمحلال طبع کو بھی دخل تھا، بالآخر انھوں نے ایک جلسہ میں ہم لوگوں کے عرض ومعروض کے باوجود صدارت سے استعفی دیدیا، اور باتفاق آراء مفتی صاحب صدر منتخب ہوئے، جن سے زیادہ اس پُرآشوب دور اور اختلاف خیال کی فضا میں کوئی اور شخصیت موزوں نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو دو خاص امتیازی جوہر عطا فرمائے تھے، ایک ذہانت، دوسرے مختلف الخیال افراد اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعتوں، اور بعض اوقات متضاد و متناقض رجحانات میں مصالحت و مفاہمت کی کامیاب کوشش، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مولانا رومؒ کی اس حکیمانہ وصیت پر پورا عمل تھا ؂

تو برائے وصل کردن آمدی : نے برائے فصل کردن آمدی

نیز خواجہ حافظؒ کے اس شعر پر بھی وہ پورے طور پر کاربند تھے ؂

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است : با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

بارہا اس کا تجربہ ہوا کہ مختلف نقطۂ نظر پوری خطابت اور زور استدلال کے ساتھ سامنے آئے، اور نظر آنے لگا کہ شاید آستینیں چڑھ جائیں۔ کہ مفتی صاحب کے چند فقروں نے اس جوش کو ٹھنڈا کر دیا۔ مختلف جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنے کی جیسی صلاحیت ان میں دیکھی گئی، کم قائدین میں دیکھنے میں آئی ممکن ہے بعض "ماہرین نفسیات" اور ناقدین اس کو ان کی کمزوری اور ضرورت سے زیادہ بڑھی ہوئی خوش خلقی و مروت پر محمول کریں، لیکن جب ملت میں انتشار ہو مختلف جماعتیں اور مکاتب خیال کسی نہ کسی درجہ میں عصبیت سے متاثر ہوں تو ایسی "مرنجان و مرنج"، حلیم و بردبار اور دبے ہوئے شخصیت کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی ہے، اور آج یہ خلا مفتی صاحب کے انتقال کے بعد نہ صرف مجلس مشاورت کے دائرہ میں (جس کا منصب صدارت ابھی تک خالی ہے) بلکہ ملت کے دائرہ میں بھی محسوس ہوتا ہے۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے اتنا عرض کرتا چلوں کہ مجلس کے طویل و وسیع دوروں میں میں دو باتوں کی خاص کوشش کرتا تھا، ایک یہ کہ قیام (علمی، دینی اور طبعی مناسبت کی وجہ سے) ہمیشہ مفتی صاحب کے ساتھ رہے، دوسرے نمازیں (خصوصاً جہری) انھیں کی امامت اور اقتدا میں پڑھی جائیں، اس لئے کہ مفتی صاحب کی تلاوت میں بڑی حلاوت تھی، وہ بھی رفقاء سفر میں مجھ پر خاص طور پر شفقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرماتے تھے، اور مانوس و بے تکلف تھے، اسی تعلق و محبت کی بنا پر میری درخواست پر ۱۹۷۶ء میں وہ رائے بریلی تشریف لائے اور واپس جاکر بڑی محبت کا خط لکھا جس کے لفظ لفظ سے خلوص و مسرت کا اظہار ہوتا ہے۔

مفتی صاحب کی محبت اور تعلق کی بات تھی کہ انھوں نے کئی بار مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی کوئی تصنیف ندوۃ المصنفین کو دو، اور اس کی طرف سے اسکی اشاعت ہو، ۱۹۷۷ء کی ابتدار کا کوئی مہینہ تھا، کہ تدکیسر گجرات میں محترمی مولانا غلام محمد صاحب نورگت کے دولت خانہ پر جن کا مفتی صاحب سے خاص تعلق تھا، اور میرے بھی بزرگ اور کرم فرما ہیں، اس کا ذکر آیا، اور میں نے اپنی کتاب "حیات عبدالحیٔ" جو انھیں دنوں میں مرتب و مکمل ہوئی تھی۔ ندوۃ المصنفین کو پیش کرنے کا وعدہ کیا مفتی صاحب نے اس پر اپنی بڑی خوشی کا اظہار کیا اور بڑی توجہ اور اہتمام کے ساتھ وہ نومبر ۱۹۷۰ء میں ندوۃ المصنفین کی طرف سے شائع ہو گئی، مجھے بھی مفتی صاحب کی ایک خواہش و فرمائش کی تعمیل کی مسرت وسعادت اور کتاب کو ندوۃ المصنفین جیسے موقر تصنیفی ادارہ کی مطبوعات میں شامل ہونے کی عزت حاصل ہوئی، اور وہ الحمدللہ علمی ادبی حلقوں میں پسند کی گئی، مفتی صاحب کی اجازت سے ادارہ نشریات اسلام نارتھ ناظم آباد نے اس کا پاکستانی ایڈیشن بھی شائع کیا۔

مفتی صاحب اخیر میں چند شدید بیماریوں کا شکار رہے، لیکن مزاج میں جو مروت اور للہیت، پرانے تعلقات کا پاس و لحاظ اور اخلاق و ایثار کا جوہر تھا وہ ضروری آرام واحتیاط میں بھی مخل ہو جاتا تھا، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنے بہت سے قدیم عوارض اور جدید تکلیفوں کے باوجود دارالمصنفین کے اس سمینار میں شرکت ضروری سمجھی "جو اسلام اور مستشرقین کے عنوان پر ۲۶ - ۲۸ ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ ۲۱-۲۳ فروری ۱۹۸۲ء کو دارالمصنفین کی طرف سے اس کے زیر اہتمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج اعظم گڑھ میں منعقد ہوا، اسی سفر سے واپسی پر دریا آباد کے اسٹیشن پر ان پر اچانک فالج کا حملہ ہوا، یہ انتظام غیبی تھا کہ مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی اور چند مخلص احباب و رفقاء خاص ہمسفر تھے، لکھنؤ کے طبی امداد کے اسٹیشن پر پہونچ جانے کی اطلاع کر دی گئی، وہاں مفتی صاحب کو اتار لیا گیا، مفتی صاحب کے نیاز مندوں اور ندوۃ العلماء سے تعلق رکھنے والے احباب و خدام نے اپنی ذمہ داری کا پورا احساس کیا، اور حصول سعادت اور خدمت کو غنیمت سمجھا، راقم سطور بھی لکھنؤ میں موجود تھا، وہ بھی اس سعادت میں شریک رہا، مفتی صاحب کو بلرام پور ہسپتال میں داخل کر دیا گیا، دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ نے دین و ملت کے اس "ھُما" کی پذیرائی میں کوتاہی نہیں کی، جو قسمت سے اُڑ کر ان کے پاس پہونچ گیا تھا، خیال تھا کہ جب تک آرام نہ ہو جائے مفتی صاحب یہاں سے تشریف نہ لے جائیں، لیکن گھر والوں کا تقاضہ غالب آیا اور یہ خیال ہوا کہ ان کا حق زیادہ ہے اور شاید وہاں مفتی صاحب کو قلبی و روحانی سکون اور طمانیت ملے اس لئے بادل ناخواستہ یہ جدائی گوارا کی گئی، لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہی وہ ساعت مقرر آگئی، جس کے متعلق فرما دیا گیا ہے کہ

لا یستأخرون ساعۃ ولا یستقدمون

اور نہ صرف ندوۃ المصنفین بلکہ وہ سب دینی ادارے جس کے وہ رکن و مشیر اور معاون و رفیق تھے، نہ صرف دہلی جو ان کا مسکن اور دیوبند جو ان کا وطن تھا، بلکہ برصغیر ہند (ہندوستان و پاکستان) ان کی رہنمائی، اصابت رائے سلامت فہم اور مختلف الخیال لوگوں میں وصل و جمع کی صلاحیت سے محروم ہو گیا، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

مفتی صاحب کے لئے تقدیر الٰہی میسر تے لئے توفیق و سعادت کی بات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی کہ مفتی صاحب کی وفات کا واقعہ پیش آیا تو میں حجاز مقدس میں تھا) مجھے دہلی کے ٹیلیفون سے اس کی بروقت اطلاع ملی، میں نے اسی وقت سعودی ریڈیو اسٹیشن سے رابطہ پیدا کیا اور عزیزی مولوی نصار رفیع ندوی انچارج شعبۂ اردو جدہ ریڈیو اسٹیشن کو اپنی قیام گاہ پر بلا کر مفتی صاحب کے حادثہ ارتحال اور ان کی شخصیت، خدمات و کمالات پر ٹاک ریکارڈ کرائی، جو اسی دن نشر ہوئی اور اسی کے ذریعہ حجاز مقدس اور سعودی عرب کے دوستوں اور اہل تعلق کو حادثہ کا علم ہوا مجھ سے جو کچھ بن آیا مفتی صاحب کے رفع درجات کے لئے دعا اور طواف کی سعادت حاصل کی اور اپنے مخلص احباب کو بھی اس کی ترغیب دی۔ اندازہ ہے کہ بہت سے مخلصین نے یہ سعادت حاصل کی، اور مفتی صاحب کے لئے دعا و طواف کے ذریعہ ایک جلیل القدر عالم اور خادم ملت کے لئے دعا اور ایصال ثواب کر کے اپنے لئے بھی قبولیت اور ترقی دینی کا سامان کیا، شاید کم مشاہیر و زعماء کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو، کہ اس قدر جلد ان کے لئے دیار مقدسہ میں دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام ہوا ہو ـــــــــ

وذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء ـــ ـــ ـــ ـــ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

The Saudi Arabian Ambassador

Dear Madame,

15th May 1984.

I noted with deep grief and sorrow, the demise of your late husband Mufti Atiqur Rehman.

I express my deep sorrow and sincere condolences to you and the family members on this irreparable loss of a great man who had rendered innumberable services to Islam and to the muslims.

I pray to God that his soul may rest in peace.

Yours sincerely,

F. S. Husseini

Fouad S. Husseini

TO:

Mrs. Atiqur Rehman
Maktaba Burhan
Urdu Bazar
Delhi-110006

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفتی صاحب

کچھ منتشر نقوش

ڈاکٹر حکیم معین الدین بقائی
ایم بی، بی ایس، ایف سی جی پی

پروقار شخصیت، سفید لباس، مناسب قد، سیاہ اونچی باڑ کی ٹوپی، پیکر اخلاق یہ تھی مفتی صاحب کی شخصیت، جیسا کہ سب سے پہلے بچپن میں مَیں نے انھیں دیکھا یہ غالباً ۳۵، ۳۶ سال پہلے کی بات ہے میرے والد حکیم شریف الدین بقائی صاحب کے پاس دواخانے میں اکثر حضرت تشریف لاتے اور نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی، دوران گفتگو کبھی میں نے مفتی صاحب کو تیز آواز میں بولتے یا ہنستے نہیں دیکھا، مجھ سے بھی نہایت مشفقانہ انداز میں خیریت دریافت کرتے، میرے دل میں حضرت کیلئے بیحد احترام اور محبت پیدا ہو گئی۔ میں اسکول کی منزلیں سے گذر کر کالج تک پہونچا، پری میڈیکل کے بعد میڈیکل کالج میں داخلے کے لئے مختلف جگہوں پر درخواستیں اور کوششیں کیں، یہ اگست ۱۹۶۵ء کی بات ہے، اچانک ہندوستان اور پاکستان میں کشمیر کے مسئلہ کو لیکر اختلافات شروع ہو گئے۔ اور اگست کے آخیر میں پہلی ہند پاک جنگ شروع ہو گئی جس میں ہندوستان نے لاہور پر اور پاکستان نے کشمیر پر حملہ کر دیا۔ ۲ ستمبر ۶۵ء کو کشمیر میڈیکل کالج سے داخلے کی اطلاع بذریعہ ٹیلیگرام موصول ہوئی دل کی کیفیت عجیب کہ داخلہ بھی ملا تو ایسی حالت میں کہ گھر والے کسی قیمت پر بھی نہیں راضی ہونگے، ۵ ستمبر کو جنگ بندی ہوئی اور ستمبر کے دوسرے ہفتے میں حالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذرا بہتر ہوئے تو پھر خیال آیا کہ کوشش کریں شاید گھر والے اجازت دیدیں ڈرتے ڈرتے والد صاحب کے سامنے ٹیلیگرام رکھدیا، نتیجہ ظاہر تھا فوراً انکار ہوگیا دماغ پریشان کہ مستقبل خطرے میں ہے، تھوڑی دیر بعد حضرت مفتی صاحب تشریف لائے مجھے افسردہ دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے حکیم صاحب نے پوری بات بتائی، فوراً فرمایا کہ حکیم صاحب جانے دیجئے یہ وہاں زیادہ محفوظ رہے گا اور نہ جانے کن الفاظ میں حکیم صاحب کو سمجھایا کہ وہ نیم راضی ہو گئے میں نے اسی وقت جاکر جہاز کی سیٹ بک کرائی اور اگلے دن سری نگر روانہ ہو گیا۔ مفتی صاحب کا یہ وہ احسان تھا جسے میں کبھی نہیں بھول سکوں گا جب بھی میں دہلی آتا مفتی صاحب سے ضرور ملاقات ہوتی خیریت پوچھتے، حالات پوچھتے اور دعاؤں سے نوازتے سنہ ۱۹۷۰ء میں ڈاکٹر بن کر جب واپس آیا تو مفتی صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اب یہیں مطب کرو میرا بھی یہی خیال تھا، چتلی قبر پر ہی اپنے مطب کا آغاز کیا جسکی افتتاحی تقریب میں مفتی صاحب مولانا قاری محمد طیب صاحب کے ہمراہ پیش پیش تھے، اس کے بعد بھی جب ملاقات ہوتی نہایت شفقت کے ساتھ خیریت پوچھتے اور دعائیں دیتے، تب ہی ایک روز مجھے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کو گاؤٹ (GOUT) کی تکلیف ہے اور وہ کچھ دوائیں استعمال کرتے ہیں ایک روز مجھے فرمانے لگے یہ دوائیں عرصہ سے استعمال کر رہا ہوں جسم میں خشکی ہونے لگی ہے، میں نے ان کی سب دوائیں بند کر کے صرف ایک کیپسول تجویز کر دیا کچھ دن بعد ملاقات ہوئی تو افاقہ بتایا اس کے کچھ دن بعد ہی مفتی صاحب کے گھر میں سے علیل ہو گئیں، دماغی دورے پڑنے لگے ایک روز مجھے گھر پر بلایا اور فرمایا کہ ان کے لئے بھی کوئی دوا تجویز کروں میں نے دیکھنے کے بعد ان کے لئے بھی نسخہ لکھدیا، الحمدللہ افاقہ ہوا اور وہ دوا اخیر دم تک انکی چلتی رہی دسمبر سنہ ۱۹۸۱ء میں مفتی صاحب کی اہلیہ پر فالج کا حملہ ہوا فوراً ہی میرے پاس آدمی بھیجا کہ مطب کے بعد میں ان کو دیکھ لوں میں گھر آیا تو مفتی صاحب کو کافی فکر مند پایا۔ عام حالات میں مفتی صاحب کے چہرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کبھی یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ پریشان ہیں،

بہر حال انکو دیکھنے کے بعد کچھ دوائیں تجویز کی گئیں کچھ ٹسٹ کرائے گئے اس فالج میں ان کا چہرہ اور آدھا جسم مفلوج ہو چکا تھا ایک ہفتہ بعد پھر مجھے فون کیا کہ ابھی تک زیادہ فائدہ نہیں ہے میں نے کہا کہ اس میں تقریباً چھ ہفتہ بعد صحیح شکل سامنے آئے گی علاج ہوتا رہا اور کافی حد تک افاقہ ہو گیا۔ چار ہفتہ بعد میں نے بتایا کہ اب انھیں (PHYSIO THERAPY) ایکسر سائز کی ضرورت ہے کچھ دن تو ایک ڈاکٹر صاحب آئے مگر مریض کی دماغی کیفیت کی وجہ سے وہ کچھ نہ کرا سکے اس لئے وہ سلسلہ پھر بند ہو گیا اور اہلیہ صاحبہ مستقل بستر سے لگ گئیں اس کے بعد سے ہی مفتی صاحب کو اکثر افسردہ دیکھا گیا یہ غالباً ۲۴ فروری ۱۹۸۲ء کا واقعہ ہے کہ مفتی صاحب کسی کانفرنس سے واپس آرہے تھے کہ لکھنؤ اور اعظم گڑھ کے درمیان کسی جگہ پر اچانک فالج کا حملہ ہوا اور طبیعت کافی بگڑ گئی لکھنؤ میں انکو گاڑی سے اتار کر فوراً مقامی ہسپتال میں داخل کر دیا گیا وہاں ڈاکٹروں نے ہنگامی ادویات دیکر دہلی میں ٹرانسفر کا مشورہ دیا چنانچہ مفتی صاحب کو اگلے روز دہلی کے جی بی پنت ہسپتال میں داخل کر دیا گیا جہاں ڈاکٹروں کی ٹیم نے معائنہ کے بعد بہت سے ٹیسٹ لئے اور نہایت تندہی سے علاج کیا، ۱۰ دن کے بعد حالت قدرے بہتر ہو گئی تو ان کو گھر واپس لے آیا گیا مفتی صاحب ہسپتال میں رہنے سے گریز کرتے تھے گھر آنے کے بعد پھر وہ میرے علاج میں آ گئے۔ گھر پر ہی ایکسر سائز کا انتظام کیا گیا ایک ماہ بعد الحمد للہ زبان اس قابل ہو گئی کہ الفاظ صاف سمجھ میں آنے لگے رفتہ رفتہ ہاتھ بھی ٹھیک ہو گئے مگر ٹانگوں کی کمزوری رہی جس پر اکثر کہا کرتے بس ٹانگیں اور ٹھیک ہو جائیں تو میں بالکل ٹھیک ہوں، اس فالج میں مفتی صاحب غالباً ڈیڑھ برس صاحب فراش رہے ایک روز گھر سے فون آیا کہ میں آکر دیکھ لوں ناک میں کچھ تکلیف بتاتے ہیں میں نے دیکھا کہ بائیں آنکھ کی جڑ میں ایک چھوٹا سا دانہ ہے۔ دو تین روز دوائیں دیں مگر وہ دانہ تیزی سے بڑھتا گیا اسکی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شکل سے اندازہ ہوا یہ کوئی معمولی دانہ نہیں، بلکہ کینسر کی ابتدا ہے میں نے مفتی صاحب کے صاحبزادے حمید الرحمن عثمانی سے اپنے خدشہ کا اظہار کیا کہ اس کا ٹیسٹ ہونا چاہئے اگلے دن میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں دکھایا گیا جہاں انھوں نے خون کے مختلف ٹیسٹ لئے اور اسکی BIOPSY لی گئی جس سے بد ترین خدشات درست ثابت ہوئے اور کینسر تجویز کیا گیا اور فوری طور پر بجلیاں لگوانے کا مشورہ دیا گیا، گھر والوں کا خیال تھا کہ ابھی بجلیاں نہ لگوائی جائیں مگر میرے مشورہ پر سب راضی ہو گئے نہایت پابندی کے ساتھ بجلیوں کا کورس پورا کیا گیا اس کے بعد انجکشن تجویز کئے گئے جن کے لئے ہفتہ میں ایک بار میڈیکل انسٹی ٹیوٹ جانا ہوتا تھا اس تمام علاج سے مفتی صاحب کی صحت میں خاطر خواہ فائدہ ہوا اور وہ پہلے کی طرح بشاش نظر آنے لگے تقریباً سات ماہ تک یہ علاج چلتا رہا اچانک ایک روز جسم پر تین چار جگہ چھوٹی چھوٹی گلٹیاں نظر آئیں مجھے دکھایا تو میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا کیونکہ وہ کینسر کی ——— (SECONDRIES) تھیں اور اس بات کی علامت تھی کہ وہ موذی مرض عارضی طور پر دب گیا تھا مگر اندر ہی اندر پھیلتا رہا پھر میڈیکل کو رجوع کیا گیا جہاں اس بات کی تصدیق ہو گئی اب سب گھر والوں کی تشویش بڑھ گئی، مختلف معالجوں سے رجوع کیا گیا۔ اس وقت صفدر جنگ ہسپتال میں کینسر کے سب سے بڑے معالج پروفیسر ایم رحمن تھے میں ان کے گھر پہونچا، میرے ان سے تعلقات اس زمانے سے تھے جب میں خود صفدر جنگ میں تھا، اس کے بعد ان کے گھر کبھی کبھی جانا ہوتا تھا رحمن صاحب نے تمام رپوٹیں دیکھیں اور فرمایا کہ اب اس کا اختتام قریب ہے اور تقریباً لاعلاج ہے پھر بھی فرمانے لگے جمعہ کو میرے یہاں لے آنا داخل کر کے دیکھیں کہ اور کیا کر سکتے ہیں۔ میں واپس آ گیا اگلے دن منگل تھا اچانک شام کو معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کی طبیعت بگڑ گئی ہے فوراً پہونچا دیکھا کہ بیہوش ہیں اور کچھ گلٹیاں گلے میں بھی پھیل گئی ہیں جس کی وجہ سے کوئی چیز حلق سے نہیں اتر رہی ہے انجکشن کے بعد کچھ حالت سنبھلی مگر نیم بیہوشی کی کیفیت رہی، میں نے RYLEE ٹیوب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منگا کر ناک کے راستے سے معدہ میں داخل کر دیا جس سے رقیق غذا دی جانے لگی رات تقریباً ۱۱ بجے تک میں وہاں موجود رہا ان کے سب لڑکے اور رشتہ دار اور مفتی صاحب کے عقیدت مند وہاں جمع ہو گئے گھر والوں کی خواہش تھی کہ اب ہسپتال نہ داخل کرایا جائے بلکہ گھر کو ہی ہسپتال بنا دیا جائے چنانچہ ان کو گھر پر ہی آکسیجن اور گلوکوز دیا جانے لگا اگلے دن ۱۱ مئی ۲۰۰۸ء بدھ کو صبح طبیعت خراب ہی رہی، تقریباً ۱۲ بجے دوپہر پھر ایک سیاہ رنگ کی قے ہوئی جس کے بعد حالت مزید بگڑنی شروع ہوئی، مطب کے بعد پھر پہونچا، پھر کچھ انجکشن دیئے اور ان کی حالت میں افاقہ دیکھکر گھر واپس آگیا، پندرہ منٹ بعد ہی پھر اطلاع آئی کہ پھر طبیعت بگڑ رہی ہے فوراً پہونچا تو دیکھا کہ مفتی صاحب ہم سب کو چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے۔ مینے سب نلکیاں ان کے جسم سے الگ کیں اور انکو سیدھا لٹا کر چادر ڈال دی ہر طرف کہرام تھا گھر والے سب برداشت کر رہے تھے مگر باہر شور تھا تھوڑی دیر بعد بازار گلی کوچے سیاہ حاشیئے والے پوسٹروں سے ماتم کناں ہو گئیں ہر شخص افسردہ تھا ماحول افسردہ تھا گھر والے نہلانے اور دوسرے انتظامات میں مصروف ہو گئے اگلے روز صبح سویرے جامع مسجد میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور اس کے بعد لاکھوں لوگوں کے کاندھوں سے گذر کر مفتی صاحب کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ یہی دنیا کا قاعدہ ہے انسان پیدا ہوتا ہے زندگی گذارتا ہے اور چلا جاتا ہے اسی کو دیکھکر کسی نے کہا ہے ؎

موت اسکی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس + ورنہ دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کیلئے

آج مفتی صاحب ہم میں نہیں انکی نرم اور شائستہ گفتگو ہر وقت انکی یاد دلاتی ہے جب ان کا تصور آتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب مخاطب ہیں اور کہہ رہے ہیں "کہیئے مزاج تو اچھے ہیں"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی

(چند بعض خطوط کی روشنی میں)

——— ٭ مولانا حکیم محمد عرفان الحسینی ٭

رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں: "موت سے کسی کو مفر نہیں" لیکن جو لوگ ملّی مقاصد کی تائید و حصول میں تادم آخر کام کرتے رہتے ہیں وہ کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ پائیں ان کی وفات قبل از وقت اور تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے" (گنجہائے گرانمایہ)

حضرت مفتی عتیق الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ پر یہ جملہ مکمل طور پر صادق آتا ہے مفتی صاحب نے اپنی زندگی ملک و ملّت کی خدمت ہی کے لئے وقف کر دی تھی۔

حضرت مفتی صاحب ایک بڑے باپ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی (جن کے قلم سے ایک لاکھ اٹھارہ ہزار فتوے لکھے گئے) کے بڑے بیٹے تھے، مفتی صاحب کی پیدائش ۱۳۱۹ سنہ ہجری میں دیوبند میں ہوئی، تاریخی نام "ظفر الحق" ہے، ۹ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا، شروع سے اخیر تک دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی اور ۱۳۴۱ سنہ ہجری میں فارغ التحصیل ہوئے دو سال وہیں رہے، پھر دار العلوم اسلامیہ ڈابھیل گجرات چلے گئے وہاں پانچ سال تک افتاء اور تدریس کے فرائض انجام دیئے، ۱۹۳۰ء میں باقاعدہ سیاسی زندگی شروع کی اور انڈین نیشنل کانگریس کی تحریک نمک سازی کے زمانہ میں سیاسی دلچسپی کے باعث ڈابھیل چھوڑ دیا اس دور میں ان کے دو اہم فتوے شائع ہوئے جنھوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے تاریخ آزادی ہند میں بہت اہمیت حاصل کی ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۷ء تک کلکتہ میں قیام رہا درس و افتاء کا مشغلہ تھا دورانِ قیام کلکتہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمۃ سے بہت قربت ہوگئی تھی جو اخیر تک قائم رہی، ۱۹۳۸ء میں دہلی تشریف لے گئے اور ایک علمی ادارہ "ندوۃ المصنفین" کے نام سے قائم کیا اسی زمانے میں دو کتابیں علامہ ابن تیمیہ کی "الکلم الطیب" کا ترجمہ تشریحی نوٹ کے ساتھ اور علامہ ابن جوزی کی "صید الخاطر" کا ترجمہ کیا ایک سنجیدہ باوقار علمی پرچہ "برہان" کے نام سے جاری کیا ایڈیٹر خود رہے پھر کثرت مشاغل کی بنا پر مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی کو ایڈیٹر بنا دیا مولانا اکبرآبادی کی ادارت کے زمانے میں بھی بار ہا کے "نظرات" مفتی صاحب کے رشحات قلم کے رہین منت رہے۔ حضرت مفتی صاحب نے غیر ممالک کے بھی کافی دورے کیے بعض جگہوں پر اپنے ملک ہندوستان کی نمائندگی کی اور بعض ممالک کا دورہ ذاتی دعوت پر کیا، رابطہ عالم اسلامی میں شرکت انڈونیشیا کا سفر اور روس و پاکستان بغداد کے دورے خصوصیت کے حامل ہیں

ہندوستان کے اکثر و بیشتر علمی، سماجی، ثقافتی، مذہبی اداروں سے منسلک رہے، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ دہلی سے تو روح و جسم کا سا تعلق تھا، انجمن ترقی اردو، جامعہ اردو علیگڈھ، غالب اکیڈمی، دہلی سے بھی متعلق رہے کلکتہ کی ایران سوسائٹی کے ممبر رہے مسلم لیگ کو کبھی اختیار نہیں کیا بلکہ سب سے بڑی آزمائش یہ تھی کہ ان کے حقیقی چچا حضرت مولانا شبیر احمد رح عثمانی جو مسلم لیگ کے بانی و رہنما تھے ان سے سیاسی ناپسندیدگی مول لی جس کا حضرت مفتی صاحب رح کو بہت احساس تھا اس کے باوجود زہر ہلاہل کو قند نہیں کہہ سکے۔ ہمیشہ کانگریس میں رہے اور ملک کی دوسری سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں کانگریس کے نظریات کو مسلمانوں کے لیے مفید سمجھتے رہے، جمعیۃ علماء ہند میں عمر کا بیشتر حصہ صرف کیا اور اخیر میں مسلم مجلس مشاورت میں شریک ہوئے مسلم پرسنل لا بورڈ کی تاسیس میں پیش پیش تھے اسکے صدر بھی رہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسنِ تدبیر، خودداری، آزادیٔ ضمیر، عزتِ نفس، معاملہ فہمی، نکتہ رسی، اور فقہی دقیقہ سنجی ان کے مخصوص اوصاف تھے، نگارش میں مفتی صاحب ایک خاص طرز کے موجد ہیں، شگفتگی اور برجستگی سادگی و چاشنی اسکی بنیاد ہیں، چبھتے جملے جن میں تلخی و شیرینی کا مناسب امتزاج تو ہوجاتا مگر تلملاہٹ سے مخاطب بچا رہتا ہے، مفتی صاحب کی تحریروں میں محبت آمیز طنز میں جو چاشنی ہوتی اس لذت سے آشنائی شاید ہی کسی دوسرے صاحب قلم کے یہاں ہو، مفتی صاحب کے بے شمار خطوط اس پر شاہد ہیں۔

ریڈیو پر تقریروں کا ایک مجموعہ جو لکھکر پڑھی گئیں "منارِ صدا" کے نام سے ڈاکٹر عنوان چشتی ریڈر جامعہ ملیہ دہلی نے مرتب کر کے شائع کیا ہے، تحریر ہی کی طرح تقریر پر بھی مفتی صاحب کو ملکہ حاصل تھا، لمبے لمبے موضوعات پر بڑی دلکش بصیرت آفروز اور فیصلہ کن اور دلوں میں گھر کر لینے والی انکی سیاسی، سماجی اور مذہبی تقریریں آج بھی لوگوں کے کانوں میں رس گھول رہی ہیں اور جنھیں سنکر بہت سے لوگوں کی زندگی میں انقلاب آگئے۔

حضرت مفتی صاحب نے حیات مستعار کے دن دیوبند سے باہر، گجرات، بنگال اور دہلی میں گزارے، تینوں جگہوں سے انھیں قلبی انسیت تھی کلکتہ تو ہر سال مفتی صاحب کی آمد ہوتی اور پندرہ دن کے لگ بھگ ضرور قیام فرماتے اور ان پندرہ دنوں میں اپنے کو ایسا محسوس کراتے کہ "بسنے والے تو کلکتہ ہی کے ہیں" چند دنوں رہنے کے لئے باہر چلے گئے تھے، کلکتہ والے بھی انھیں ٹوٹ کر چاہتے تھے، مہینوں پہلے سے ان کا انتظار اور تذکرہ شروع ہو جاتا جب آتے تو لوگ حاضرِ خدمت ہو کر نیاز حاصل کرتے رہتے مگر حضرت مفتی صاحب بھی بعض مواقع پر مجبوری اور آخر میں پیرانہ سالی کے باوجود بھی اسکی کوشش کرتے کہ خود بھی تشریف لے جا کر ملیں۔

لحاظ و مروت کا تو گویا "پیکر" تھے بعض شفقتیں خود آگے بڑھکر فرمادیا کرتے دار العلوم دیوبند کے صد سالہ کے موقع پر شدید بیمار تھے ایک لمحہ کیلئے بھی جلسہ گاہ نہ جا سکے، خاموش گم صم پلنگ پر پڑے ہوئے تھے، دن بھر کچھ بھی نہیں کھایا بھوکے پڑے رہے جب ہم لوگ کمرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں واپس آئے تو اپنے نہ کھانے اور بھوکے رہنے کا اشارہ تک نہیں کیا، کسی طرح رات کو پتہ چلا تو حضرت مفتی صاحب کو یہ احساس کہ ار میری خاموشی کیوجہ سے یہ سارے بچے شرمندگی میں پڑے ہیں"۔

میں جب اپنی پگڑی جو مجھے ملی تھی لے کر قیام گاہ پر آیا تو آواز دی، بلایا اور پگڑی ہاتھ میں لیکر دیکھی اور میرا سر اپنی طرف کر کے اپنے ہاتھوں سے عمامہ باندھ دیا اور فرمایا "تھوڑی دیر ایسے ہی باندھے رہو دیکھنے کو جی چاہتا ہے"۔

میرے والد محترم الحاج حضرت مولانا حکیم محمد زماں صاحب حسینی حضرت مفتی صاحبؒ کے پچاس سالہ نیاز مند ہیں حضرت مفتی صاحبؒ نے ۱۹۸۲ء تک اپنے دست مبارک سے ان کے نام بے شمار خطوط جن میں گھریلو معاملات، ملکی حالات، مذہب و سیاست کی باتیں انھوں نے ایک خاص انداز میں سپرد تحریر فرمائی ہیں۔ اس مضمون میں ان کے چند خطوط کے اقتباسات درج ہیں مفتی صاحب مرحوم کی زندگی کے چند گوشے بھی اجاگر ہوتے ہیں۔

مرحوم مفتی صاحب افراد و اشخاص کے بارے میں اپنی تلی جچی رائے رکھتے تھے اس کا اظہار زبان اور تحریر سے بھی کرتے تھے ذیل میں چند وہ نگارشات ہیں، جن میں انھوں نے بعض لوگوں سے اظہار تعلق کیا ہے۔ کلکتہ کے مشہور تاجر شیخ فیروز الدین مرحوم کے بارے میں انکی وفات پر ایک خط میں تحریر کیا ہے:

"کیا لکھوں، دل پر کیا گزری؟ دل بے قرار ہو گیا آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے مرحوم کو مجھ سے جو غیر معمولی علاقہ تھا آپ اس سے بخوبی واقف ہیں یہ تعلق کم و بیش چالیس سال سے تھا، اور لیل و نہار کی کوئی گردش اس کو مضمحل نہیں کر سکی، فیروز صاحب اس دنیا میں نہیں لیکن ان کے کمالات اور غیر معمولی خصوصیات ہمیشہ یاد رہیں گے، کیسے باوضع شریف کشادہ دست و خندہ جبیں بزرگ تھے سچ تو یہ ہے کہ اپنی مثال آپ تھے"۔

ان کے چھوٹے بھائی خان بہادر شیخ محمد جان مرحوم کی وفات پر ایک خط میں لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"مرحوم سے میرے تعلقات کی مدت نصف صدی کے قریب ہے اس طویل مدت میں بڑے بڑے نشیب و فراز رہے مگر ہمارے تعلقات میانہ روی کے انداز سے قائم رہے بہت لحاظ کرتے تھے سیاسی اور مذہبی دونوں اعتبار سے راسخ العقیدہ تھے، ان کے اٹھ جانے سے ایک دور کا خاتمہ ہوگیا" کلکتہ ہی کے ایک اور صاحب تاجر منیجر شیخ محمد یعقوب صاحب کی وفات پر لکھتے ہیں: مرحوم غیر معمولی خصوصیات کے امین تھے، تجربہ کار، فہیم، کام کرنے والے"

راقم الحروف کے دادا حضرت مولانا حکیم وزیر علی علیہ الرحمۃ جو صاحب رشد و ہدایت بزرگ حاذق طبیب تھے انکی وفات پر تحریر فرماتے ہیں: مرحوم سے بارہا ملاقاتیں ہوئی ہیں ان کی بزرگی اور سادگی کا نقشہ آنکھوں میں گھوم رہا ہے"

انہی دنوں میرے خاندان میں یکے بعد دیگرے موت کے کئی حادثے ہوئے اس پر یوں تسلی کے کلمات تحریر فرمائے "آپ کی آشفتگی اور پریشانی کا قدرتی طور پر ہم لوگوں پر بھی اثر ہے اللہ تعالیٰ اطمینان میسر فرمائے گردش لیل و نہار سے تو مفر نہیں تاہم یقین ہے کہ یہ پریشانیاں عارضی ثابت ہونگی اور آپ جیسا مخلص زیادہ پامال نہیں ہوگا اپنا تجربہ تو یہی ہے کہ ناگواریوں اور تلخیوں کی تیز و تند ہواؤں اور گھٹا ٹوپ اندھیروں کے بعد نسیم سحر کے نرم و سبک گام جھونکے بھی ضرور آتے ہیں بشارت ہے ان کے لئے جو دونوں حالتوں پر دامنِ صبر و شکر تھامے رہتے ہیں، میرے خسر ممتاز عالم دین خادم قرآن، حافظ مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نامی کی وفات پر تحریر فرماتے ہیں "مرحوم کی خوبیاں رہ، رہ کر یاد آتی ہیں، عالم باعمل اور دھن کے پکے اور سچے مسلمان تھے، حق و صداقت اور آزادیِ ضمیر کی راہ میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں ذہن رسا، اور تعمیری پایا تھا، قلب جذباتِ اسلامی سے معمور تھا اپنے رنگ کے ایک ہی شخص تھے، خواجہ محمد یوسف صاحب (جواب کلکتہ ہائی کورٹ کے جج ہو چکے ہیں) جب ڈی، آئی آر میں ۱۹۶۵ء میں گرفتار ہوئے تو راقم الحروف کے نام ایک خط میں حضرت مفتی صاحب ارقام فرماتے ہیں: خواجہ صاحب کو کارڈ لکھدیا ہے تعلقِ خاص رکھتے ہیں شاہ وصی الدین احمد صاحب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وساطت سے گذشتہ سال انھوں نے خاصے اہتمام سے چائے پر بھی بلایا تھا شاید تم بھی ساتھ تھے خواجہ صاحب سے میرا سلام کہیے بڑی خوبیوں کے شخص ہیں ایسے حضرات کو جیل کا تجربہ ہوا اس سے تو عین زندگی آتی ہے مگر حکومت کی بے سمجھی پر افسوس ہوتا ہے ایک سیکولر جمہوری نظام میں ایسے اقدامات افسوسناک ہوتے ہیں بہر حال حالات کا مقابلہ کرنا ہے"۔

آزاد ہند اخبار کے ایڈیٹر جناب الحاج احمد سعید صاحب ملیح آبادی سے گھریلو تعلقات اور خاندانی روابط تھے اکثر و بیشتر خطوط میں ان کا ذکر اور سلام موجود ہے ان کے بارے میں لکھتے ہیں: احمد سعید صاحب نے دلچسپ مضمون بنا لیا خوب سلیقہ رکھتے ہیں ان سے سلام کہیے" ایک دوسرے خط میں ہے احمد سعید صاحب سے آپکی خیریت مجملاً معلوم ہوئی تھی، اس دفعہ یہاں (دہلی) ان سے ملاقات نہ ہونے کے برابر رہی دہ ٹھہرے بھی کم، ان کے پاس جانے کا ارادہ تھا مگر کاموں کے ہجوم میں موقع نہیں ملا۔ کسی روز آپ تو سلام فرما دیجیے اور ملاقات کے اختصار پر اظہار افسوس" حضرت مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی مرحوم جب دہلی چھوڑ کر کلکتہ آگئے تو ان کی جدائی پر اظہار رنج و غم کرتے ہوئے مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں: "ملیح آبادی صاحب سے ملاقات ہوتی ہوگی بہت یاد آتے ہیں احمد سعید صاحب کی معرفت ان سے سلام کہلایئے"

جمعیۃ العلماء ہند کا سالانہ اجلاس الہ آباد میں ہوا جس میں خطبہ حضرت مفتی صاحب مرحوم نے دیا، اس کا تذکرہ کس قدر سادگی اور بے تکلفی سے کرتے ہیں لکھتے ہیں: "الہ آباد کا اجلاس بڑا ہی شاندار رہا خطبہ عام طور پر توقع سے زیادہ پسند کیا گیا اور پڑھنا اس سے زیادہ۔ منتظمین نے ایک "دعبا" بھی دی آپ سے پوری بے تکلفی ہے اس لئے لکھ رہا ہوں جمعیۃ علماء کے سالانہ اجلاس میں ہمارے قومی چیتوں اور شیروں نے اپنی بے ہنگام گرج کے جو جوہر دکھائے اس کے احساس سے اب بھی تکلیف ہوتی ہے "اچھا ہوتا" مجاہد ملت" اس طرح کی تجویزوں کو ہم جیسے ٹھنڈے دماغ لوگوں کے حوالہ کر دیتے لیکن شاید اس گھر کی رونق ہنگامے پر ہی موقوف ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن رحمۃ اللہ کے انتقال کے بعد جمعیۃ العلماء ہند میں انتشار پیدا ہوا حضرت مفتی صاحب اسکی زد میں آگئے جو انکی افتاد طبع کے خلاف تھا، مختلف خطوں میں پریشانی اور بیزاری کا اظہار یوں کیا ہے: جمعیۃ کی صدارت کا مسئلہ بیٹھے بٹھائے میرے گلے کا ہار بن گیا شدید روحانی اذیت محسوس کر رہا ہوں۔ مولوی سعید نے تو لکھا ہے "دوسرے سے جمعیۃ ہی چھوڑ دو اور نام واپس لے لو" واقعہ یہ ہے کہ اگر مجھے اطمینان ہو جائے کہ نام واپس لینے سے انتشار دور ہو جائے گا تو ایک منٹ کی دیر نہیں لگاؤں گا" ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: صدارت کے مسئلہ نے کیسی عجیب صورت حال اختیار کی ہے اور آدمی بھی کس طرح مصیبت میں پھنستا ہے، تینتالیس سال جمعیۃ سے وابستگی کو ہو گئے ہیں اس پوری مدت میں کبھی بھی کسی منصب اور عہدے کا قلب میں "خطور" تک نہیں ہوا، حالات کے موڑ سے اثر پذیر ہو کر کسی صوبے نے میرے علم و اطلاع کے بغیر از خود نام پیش کر دیا بس کیا تھا قیامت برپا ہو گئی، ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں: میں کوئی بات دل میں نہیں رکھتا کیونکہ "دخاک میں عشاق کے غبار نہیں ہے" جمعیۃ علماء سے میرا تعلق عہدے کا نہیں خدمات کا ہے اور عمر کا بڑا حصہ اسی چھانی ہوئی خاک کو سر پر ڈالنے میں گذرا ہے" اسی سلسلہ میں ایک دوسرے خط میں رقمطراز ہیں: مجھ پر جمعیۃ کی موجودہ گروہ بندی کا حد درجہ ناگوار اثر ہے اس لئے مزاج میں قدرے تلخی آگئی ہے ؎

کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

مالداروں کی دریوزہ گری سے حضرت مفتی صاحب کو شدید نفرت تھی اس سے بچنے کی کوشش کرتے تھے، خصوصیت سے تو اپنی ذات کے لئے اس کو عار ہی سمجھا، تحریر فرماتے ہیں: بڑی مشکل یہ ہے کہ روپیہ کی قیمت گرتی جا رہی ہے اور ضروریات ہیں کہ بڑھتی جا رہی ہیں لیکن طوفان کی انہی موجوں سے گذر کر اپنا راستہ بنانا ہے اللہ تعالیٰ کارسازِ مطلق ہے بلاشبہ وہ ہماری اور ہمارے حالات کی اور ہماری ضرورتوں کی نگرانی فرماتے ہیں، دعا ہے اپنے بچوں کی دیکھ بھال

© rasailojaraid.com